

## ”مطالعہ تصوف“

قرآن و سنت کی روشنی میں

www.javedahmadghamini.com  
www.alimawrid.org

نام کتاب: مطالعہ تصوف، قرآن و سنت کی روشنی میں  
مصنف: ڈاکٹر غلام قادر لون  
ضخامت: 605 صفحات، مجلد  
ناشر: دوست ایسوسی ایٹس، لکھنؤ مارکیٹ، اردو بازار لاہور  
قیمت: 300 روپے

مخلوق ہونے کے لحاظ سے یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ اپنے خالق کے متعلق سوچے اسے پہچانے اور اپنی تخلیق و پرورش پر حق شکرگزاری ادا کرے۔ انسان کے اسی فطری جذبہ تشکر کی رہنمائی کے لیے اللہ نے اپنے فرستادے بھیج کر اس کی ہدایت کا سامان کیا۔ اللہ کے ان پیغمبروں نے انسان کو عبودیت کے وہ باوقار طریقے بتائے جو افراط و تفریط سے پاک اور راہ اعتدال کی خوبی کے حامل تھے۔ ان پیغمبروں کی آواز جن انسانوں تک نہ پہنچی یا وہ زمانے کی گردشوں کے غبار سے آلودہ ہو کر رہ گئی یا جن حساس اور پاک باز انسانوں کے اندر فطرت سے محبت اور پاس گزاری کا جذبہ غیر معمولی تھا، انہوں نے اپنے طور پر بھی اسی راہ حق پرستی کی منزلیں متعین کرنے کی سعی و جہد کی۔ اس ضمن میں انسانی مہم جوئی کی داستانیں تاریخ انسانی کے ہر موڑ پر ملتی ہیں اور پروردگار کائنات سے کیے گئے انسان کے عہد الست کی بگڑی ہوئی صدائے بازگشت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مکتی، نروان، رہبانیت اور تصوف انھی داستانوں کے چند ناقابل فراموش نام ہیں۔

نہی آ خر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایک محفوظ اور حتمی دین کے آ جانے کے باعث اگرچہ امت مسلمہ میں اس طرح کی مہم جوئی کی کوئی گنجائش باقی نہیں تھی، لیکن خالق کے ساتھ ”عشق و مستی“ کے بے پناہ جوش و ولولے کے باعث تصوف کے عنوان سے ایک داستانِ عزیمت پھر بھی رقم ہو گئی۔ قرآن نے چونکہ بہت ہی واضح طور پر خالق کے ساتھ تعلق کے آداب متعین کر دیے تھے، اس لیے دین اسلام کے رمز آشنا ہمیشہ سے اہل تصوف سے عرض کرتے رہے ہیں کہ ان کے ہاں فکر و نظر سے لے کر عمل اور رویے تک، بے اعتدالیاں در آئی ہیں۔ ان معروضات کی لے کہیں بہت تند و تیز رہی اور کہیں بہت ہی دل نواز اور حق نصیحت و تنقید کے عین موافق۔ ہماری علمی تاریخ میں ان دونوں رویوں کی حامل بڑی معرکہ آرا کتب لکھی گئیں۔ زیر تبصرہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے کہ اس میں تصوف پر بے جا تنقید کی گئی ہے نہ اس کی اندھی حمایت، بلکہ یہ ایک مطالعہ ہے — تصوف کو اہل تصوف کے افکار و نظریات کے تناظر میں جاننے کا بے لاگ مطالعہ۔ مصنف اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

”پیش نظر کتاب میں محدثین، فقہا و مفسرین، مورخین، صوفیہ اور ناقدین تصوف کی تحریروں سے استشہاد کیا گیا ہے۔ تصوف کی مخالفت میں بہت کم لکھا گیا ہے لیکن جن علماء نے تصوف کی مخالفت کی ہے، وہ علم و عمل کے پہاڑ تھے۔ ان کے تبحر علمی، خلوص اور نیک نیتی کو نظر انداز کرنا نا انصافی ہوگی۔ مستشرقین نے بھی تصوف پر بہت کچھ لکھا ہے اور یہ موضوع ان کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ تصوف کے سمجھنے میں ان سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔ کتاب میں ان کی کتابوں سے کم حوالے دیے گئے ہیں، کوشش یہ کی گئی ہے کہ جن مصادر سے انھوں نے مواد اخذ کیا ہے، ان سے براہ راست استفادہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس میں کامیابی بھی ملی۔“ (۱۰)

کتاب میں جن موضوعات پر قلم اٹھایا گیا، وہ سب کے سب تصوف کے معرکہ آرا مباحث ہیں۔ ان کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہم کتاب کے تمام ابواب کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہیں:

پہلا باب لفظ ”تصوف“ پر ہے۔ اس میں لفظ تصوف کے اشتقاق پر قابل ذکر محققین کی آرا کا تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اسی باب میں بیعت، ارادت، طریقہ بیعت، چہارتکبیر، چہار پیر، اصحاب صفہ کے عنوانات بھی انتہائی گہرائی کے ساتھ زیر بحث لائے گئے ہیں اور کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا گیا۔

اگلا باب ”علم باطن“ سے موسوم کیا گیا ہے۔ تصوف کے علم کلام میں اصل منبع کی حیثیت چونکہ ”علم باطن“ ہی کو حاصل ہے، اس لیے مصنف نے اس پر موافق و مخالف، دونوں آرا کا زور دار موازنہ کیا ہے۔ اہل تصوف ”علم لدنی“ کو علم باطن قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت علی رضوان اللہ جمیعین کو اس علم کا وارث قرار دیا جاتا ہے۔ فاضل مصنف نے باب کے آخر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ علم باطن اور علم لدنی نام کی کسی چیز

کا وجود کم از کم اسلام میں ثابت نہیں ہوتا۔ اس سلسلے کی تمام روایات نہ صرف علماء، بلکہ بعض اہم صوفیاء کے نزدیک بھی ثابت نہیں ہیں۔

تیسرا باب زہد و مجاہدہ پر باندھا گیا ہے۔ اس کا آغاز مشہور صوفی شیخ ابراہیم بن ادھم کے اس ارشاد سے کیا گیا ہے: ”تم صالحین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے جب تک ان چھ گھاٹیوں کو عبور نہیں کرو گے۔ (۱) نعمت کا در بند کر کے سختی کا در کھولو۔ (۲) عزت کا باب بند کر کے ذلت کا دروازہ کھولو۔ (۳) راحت کا دروازہ بند کر کے مشقت کا باب کھولو۔ (۴) نیند کا دروازہ بند کر کے بیداری کا دروازہ کھولو۔ (۵) غنا کا باب بند کر کے فقر کا در کھولو۔ (۶) امید کا دروازہ بند کر کے موت کے لیے تیاری کا دروازہ کھولو۔“ (۲۳۲)

اس ارشاد کے بعد انھوں نے ”فاقدہ کشی یا بھوک، قلتِ منام اور قلتِ کلام“ کے منازل بیان کیے ہیں اور صوفیاء کے اقوال کے ذریعے سے بتایا ہے کہ ان کے ہاں زہد و مجاہدہ کے لیے ان اعمال کی کس قدر اہمیت ہے۔ باب کے آخر میں انھوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں صوفیاء کے افکار کا جائزہ لیا ہے۔ باب کا اختتام انھوں نے اس تبصرے سے کیا ہے: ”اسلام کی نگاہ میں تزکیہ اخلاق ایک پاک اور عظیم مقصد ہے اور اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جائے اس کا سنت کے موافق ہونا لازمی ہے۔ شریعت کی نظر میں مقصد کی پاکیزگی اس وقت تک بے معنی ہے جب تک وسیلہ ایسا اختیار نہ کیا جائے جو مقصد کی روح سے ہم آہنگی اور مناسبت نہ رکھتا ہو۔ حضرت فضیل ابن عیاض نے قرآن کی آیت ”لیسلو حکم ایکم احسن عملاً“ (تاکہ تمہیں آزمائے کہ کس کا عمل سب سے اچھا ہے) کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد ”اخلاص“ اور ”اصوب“ عمل ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ اخلاص اور اصوب کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا:

”عمل اگر خالص ہو مگر وہ درست نہ ہو تو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اگر درست ہو مگر خالص نہ ہو تو بھی قبول

نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ خالص اور درست نہ ہو۔ خالص کے معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کے لیے ہو اور

درست کے معنی یہ ہیں کہ وہ سنت کے موافق ہو۔“ (۲۷۸)

تجدد کے موضوع پر چوتھا باب تحریر کیا گیا ہے۔ اس باب میں ”کشف المحجوب“ کے حوالے سے سید علی ہجویری کی یہ بات اصل الاصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ:

”طریقت کی اساس تجدد پر رکھی گئی ہے کیوں کہ نکاح بہر حال دو خرابیوں سے خالی نہیں ہے۔ ایک غیر اللہ کا دل میں

خیال پیدا ہونا اور دوسرے جسم کا لذتِ نفس میں مشغول ہونا۔“ (۲۸۰)

اس باب میں صوفیاء کے انتہائی حیران کن واقعات نقل کیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے انھوں نے عورت کو توفیقاً عظیم قرار دیا ہے

ہے، مگر مصنف نے ایسے صوفیاء کے واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے جنہوں نے اپنے جنسی اعضا تک کاٹ ڈالے، آنکھیں پھوڑ ڈالیں اور شہوت کا راستہ بند کرنے کے لیے ہر طریقہ آزما ڈالا۔ اس کے برعکس مصنف نے ان صوفیاء کا حال بھی بیان کیا ہے جو سلوک کی منزل کے لیے حسنِ زن کو اللہ ہی کے حسن کا عکس قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ کا یہ واقعہ بڑا ”چشم کشا“ ہے:

”شاہ ولی اللہ صاحب کے بقول ان کے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ: ایک مرتبہ انتہائی قبضِ عظیم محسوس کر رہا تھا کہ واقعتاً مجھ پر ایک نچی وارد ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک حسین و جمیل عورت زیورات اور جاذبِ نظر لباس سے مزین ہے اور وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آنے لگی۔ اس کے قرب سے میرا شعلہ شوق بھڑکنے لگا، بالآخر وہ مجھ سے بغل گیر ہو کر یک تن ہو گئی۔ میرا وجود اس کی شکل میں متمثل ہو گیا اور تمام زیورات و لباس میں نے اپنے وجود پر موجود پائے۔ یہ دیکھ کر مجھے انتہائی انبساط و سرور حاصل ہوا اور وہ گھٹن جاتی رہی۔ شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ واقعہ مقامِ توحید کے حصول پر دلالت کرتا ہے۔“ (۳۱۱)

فقر اور توکل تصوف کی وہ اصطلاحات ہیں جو کم از کم نام کے اعتبار سے قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ مگر اہل تصوف اس سے کیا مراد لیتے ہیں، یہ ایک دل چسپ انکشاف ہے۔ مصنف نے ان پر علیحدہ علیحدہ باب رقم کیے ہیں۔ فقر کے ضمن میں انہوں نے صوفیاء کے تصور پر امام ابن تیمیہ کا جائزہ پیش کیا ہے اور امام موصوف کی ان احادیث کے متعلق تحقیق پیش کی ہے جن میں صوفیاء نے غنا اور جائز مال کو ناپسندیدہ قرار دے کر خوش حال صحابہ کی تخفیف ثابت کی ہے۔ امام ابن تیمیہ نے ایسی تمام احادیث کو موضوع اور ضعیف قرار دیا ہے۔

صوفیاء کے اکابرین میں سے شیخ ابو بکر شبلی توکل کے بارے میں کہتے ہیں: ”توکل عمدہ قسم کی گداگری ہے۔“ (۳۲۷)

مشہور صوفی سہل بن عبد اللہ تستری کا کہنا ہے: ”توکل ترکِ تدبیر کا نام ہے!“

ان بزرگ سے جب پوچھا گیا کہ کسبِ معاش تو سنت ہے، پھر یہ محمود کیسے ہو سکتا ہے تو ان کا جواب مولف نے یہ نقل کیا ہے:

”جس نے کسبِ معاش پر طعن کیا اس نے سنت پر طعن زنی کی اور جس نے ترکِ کسب پر طعن کیا، اس نے توحید کو

مطعون کیا۔“ (۳۵۴)

اسی طرح صوفیاء کے نزدیک زادِ راہ لے کر چلنا، بیماری کا علاج کرانا، حتیٰ کہ جنت کی طلب بھی توکل کے خلاف ہے۔ اس

ضمن میں صوفیاء کے یہ ارشادات نقل کیے گئے ہیں:

”رابعہ بصری کے بارے میں روایت ہے کہ ایک دفعہ انھیں سخت بخارا آیا، لوگوں نے اس بارے میں مزاج پرسی کی تو

فرمایا کہ میں خلوت میں مصروف تھی کہ میرے سامنے جنت پیش کی گئی۔ میرا دل اس کی طرف مائل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر

عتاب کیا۔ شیخ ابوبکر شبلی نے ایک دفعہ کہا کہ اگر مجھے جنت اور جہنم کے درمیان انتخاب کا اختیار دیا گیا تو میں جہنم کو اختیار کروں گا کیوں کہ اس میں نفس کی مخالفت ہے۔ لیکن ان کے استاد شیخ جنید بغدادی نے جواب میں کہا کہ اگر مجھے جنت اور دوزخ کے درمیان انتخاب کا موقع دیا گیا تو میں کسی کا انتخاب نہیں کروں گا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر چھوڑ دوں گا۔ شیخ بایزید بسطامی جنت اور جہنم کے درمیان تمیز کرنے کو بھی توکل کے خلاف سمجھتے ہیں۔“ (۳۶۳)

امام غزالی کے حوالے سے لکھا ہے:

”اگر تیرا دل توکل میں محکم ہو اور تجھے خدا کے وعدے پر مکمل یقین ہو تو تیرے لیے بے زادِ راہ ہی صحرا نوردی درست

ہے ورنہ عوام کی طرح تو بھی زادِ راہ ساتھ لے کر چل۔“ (۳۵۹)

باب کے آخر میں مصنف نے صوفیاء کے ان نظریات کو ”بے عملی“ قرار دیا ہے اور مسلمانوں کی موجودہ بد حالی کا ایک سبب

قرار دیا ہے۔ اپنے موقف کے حق میں انھوں نے سورہ رعد اور سورہ انفال کی یہ آیات پیش کی ہیں:

”اور خدا تب تک کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک اس قوم کے لوگ اپنی حالت خود نہ بدلیں۔“

”اور ایسا اس لیے ہے کہ خدا اس وقت تک کسی قوم کو دی ہوئی نعمتوں کو تبدیل نہیں کرتا جب تک وہ خود بدل نہ جائیں۔

اس کے نااہل ثابت نہ ہوں، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔“ (۳۸۷)

اسقاط الوسائط کے ضمن میں مصنف نے بعض غیر معروف اور کچھ بدنام صوفیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ اپنے آپ پر

شریعت کو منسوخ کر دینے کے قائل تھے، البتہ شاہ ولی اللہ کا اپنے والد بزرگوار کے حوالے سے نقل کیا گیا فرمان بہت حیران کن

ہے۔ اقتباس کچھ یوں ہے:

”اسقاط شریعت یا اسقاط الوسائط کو محتاط صوفیہ نے ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے لیکن بہت سے ایسے محققین بھی

اپنے آپ کو اس سے محفوظ نہ رکھ سکے جو شریعت کے رمز شناس کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ مثلاً شاہ ولی اللہ دہلوی بیان

کرتے ہیں کہ میرے والد پر یہ الہام کیا گیا کہ آپ سے تکالیف شرعیہ اٹھالی گئیں اور آپ کو اختیار ہے چاہیں تو آپ

اعمال بجالائیں چاہیں تو نہ لائیں۔ لیکن انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان پر شریعت نافذ رہنے دی جائے۔ اپنے چچا

کے متعلق شاہ ولی اللہ دہلوی صاحب کہتے ہیں کہ وہ سقوط تکلیف کے قائل تھے۔ ان پر یہ بھی الہام ہوا اور کہا گیا کہ اگر تم جہنم

کے خوف سے عبادت کرتے ہو تو ہم نے تمہیں جہنم سے نجات دی، اگر تم جنت کے طلب گار ہو تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس

میں آپ کو داخل کریں گے، اگر ہماری رضا کے طالب ہو تو ہم تم سے راضی ہیں۔“ (۳۹۳)

مصنف نے ابن حزم، ابن جوزی، ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تنقیدات کا بھی ذکر کیا ہے کہ انھوں نے رفع شریعت یا

اسقاط الوسائط کے مسئلے پر صوفیاء پر سخت گرفت کی ہے۔ اس باب میں صوفیاء کے رویے پر خود مصنف نے یوں اظہار خیال کیا

ہے:

اسقاط الوسائط یا بہ الفاظ دیگر باحیت کے اظہار کے لیے صوفیہ اور شعر متصوفین نے دل چسپ پیرائے اختیار کیے، کبھی انہوں نے نماز و روزہ جیسی عبادات کا مذاق اڑایا تو کبھی کعبہ کو ’پس ماندگانِ راہ‘ کی منزل قرار دیا۔ کہیں مسجد کے جلانے کی باتیں کہی گئیں، تو کہیں مصحف کے اوراق کو پھاڑنے کے ارادوں کا اظہار کیا گیا۔ بعض لوگوں نے قاضی کی داڑھی نوچنے کی دعوت دی تو بعض نے فقیہ شہر کی قبر پر رباب بجانے کی قسم کھائی۔ جب ان قابلِ اعتراض باتوں پر اہل شرح کی طرف سے احتساب اور دارو گیر کا خطرہ نظر آتا تو یہ دلیل دی جاتی:

از نفی و ز اثبات بروں صحرائے است  
کیں طائفہ را در آں میاں سود ایست  
اے دوست چوں عاشقی در آنجا برسد  
نہ نفی نہ اثبات نہ مورا جائیست

نفی و اثبات سے دور اس صحرائے بیکراں میں جب بال کی گنجائش نہیں تھی تو شریعت کہاں باریاب ہوتی؟ اس لیے اس کی نارسائی پر بھر پور طنز کیے گئے۔ برصغیر کی تاریخ میں سلسلہ قادریہ کے ایک صوفی ملا شاہ بدخشانی (م 1069ھ 1658ء) جو شاہ میاں میر لاہوری (م 1045ھ 1635ء) کے خلیفہ مجاز اور شہزادہ داراشکوہ (1024-1070ھ / 1615-1659ء) کے پیر طریقت بھی تھے، نے برملا اس کا اظہار یوں کیا:

نچہ در پنچہ خدا دارم  
من چہ پروائی مصطفیٰ دارم  
(میرا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں ہے)  
مجھے مصطفیٰ کی کیا پرواہ ہے؟)

ملا شاہ بدخشانی نے جب یہ شعر کہا تو علماء کشمیر (ملا شاہ بدخشانی کشمیر میں کئی برس قیام کر چکے ہیں) نے کفر کا فتویٰ دیا اور شاہ جہاں سے درخواست کی کہ ملا شاہ پر شرعی حد جاری کی جائے۔ بادشاہ شاہ جہاں نے کشمیر کے صوبہ دار ظفر خان کو فرمان بھیجا۔ لیکن شہزادہ داراشکوہ نے ملا شاہ کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ اس معاملہ میں عجلت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ کسی دوسرے بزرگ مثلاً شاہ میاں میر لاہوری سے رائے لی جائے۔ جب شیخ میاں میر لاہوری سے رجوع کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ احوال کے زیر اثر ملا ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن سے احتراز لازم ہے۔ چنانچہ ملا کی جان بخشی ہوئی اور وہ بچ گئے۔“ (۴۱۰)

ادبِ تصوف میں شطحات کا ذکر نہ ہو تو داستانِ تصوف ادھوری رہتی ہے۔ شطحات شطح کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ کلمات یا الفاظ ہیں جو صوفیہ نے عالم سکر یا ذوق و مستی کی حالت میں کہے ہوتے ہیں۔ مثلاً منصور حلاج کا بدنام زمانہ کلمہ ”انا الحق“ وغیرہ۔

اس باب میں مصنف نے دس صوفیہ کے شطحات پر بحث کی ہے۔ سب سے عبرت انگیز شطح شیخ محی الدین ابن عربی سے

منسوب ہے۔ مصنف نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

”شیخ محی الدین ابن عربی کا مرتع فکر ایسے اقوال و افکار سے رنگین ہے جو شطحات کے ذیل میں آتے ہیں۔ کہتے ہیں:

انا اصغر ربی بسنتین (میں اپنے رب سے دو سال چھوٹا ہوں)۔“ (۴۲۹)

مصنف نے متذکرہ صوفیا میں سے شیخ بایزید بسطامی کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے توبہ کر لی تھی۔ (۴۲۷)

صوفیا کے عقیدے رجال الغیب سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے جو نظام عالم کا کاروبار سنبھالے ہوئے ہے۔ زندگی ان کے توسط سے رواں دواں ہے۔ اس باب پر صوفیا کی آرا نقل کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ بطور عقیدہ تمام اہل تصوف اس پر یقین رکھتے ہیں، لیکن اس کی وضاحت میں بہت ابہام ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان رجال الغیب میں کئی درجات ہیں اور یہ لوگ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں۔ ہوا میں اڑتے ہوئے مافوق الفطرت امور آسانی سے انجام دیتے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

”ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ بغداد کے اوپر سے ایک مرتبہ تین ابدال پرواز کر رہے تھے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ تک پہنچ کر دو ابدال شیخ جیلانی (جو غوث کے منصب پر فائز تھے) کا پاس ادب ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خانقاہ سے ہٹ کر گزرے مگر تیسرے ابدال نے دل میں یہ خیال کر کے کہ بغداد میں کوئی مرد خدا نہیں ہے، خانقاہ کے اوپر سے پرواز کی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اس کے خطرہ باطنی پر مطلع ہوئے اور آپ نے اس کی اس جسارت پر اس کی توت پر واز سلب کی۔ یہ دیکھ کر مرد غیب ہوا سے اتر کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے تصور کی معافی کا طلب گار ہوا۔ جب اس نے خلوص دل سے توبہ کی تو شیخ نے اس کے کمالات واپس کیے اور وہ پہلے کی طرح ہوا میں پرواز کرتا ہوا چلا گیا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کے متعلق وثوق سے بیان کیا جاتا ہے کہ اقطاب، ابدال اور اوتاد کا تقرر و تنزل اور عزل و نصب شیخ کے دائرہ اختیار میں تھا۔ ایک بار ایک چور حضرت شیخ کے مکان میں در آیا تو اس کی بصارت زائل ہو گئی، مکان سے کوئی چیز نہ لے جاسکا۔ اس دوران حضرت خضر علیہ السلام نے خدمت شیخ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ حضور ایک ابدال کا انتقال ہوا ہے، جس کے بارے میں آپ کا حکم ہوا ہے ان کی جگہ مقرر کیا جائے۔ شیخ جیلانی نے فرمایا کہ ہمارے گھر میں ایک شخص شکستہ دل اور محرومی کے عالم میں ہے۔ جا کر اسے لے آؤ ہم اسے ابدال کے منصب پر فائز کریں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام چور کو گھر سے باہر شیخ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ نے اس پر نظر کی تو اس کی بینائی لوٹ آئی۔ پینا بن جانے کے بعد آپ نے اسے پورے اعزاز کے ساتھ ابدال مقرر کر دیا۔ ایک مرتبہ ایک ابدال کا انتقال ہوا تو شیخ جیلانی نے قسطنطنیہ سے ایک کافر کو طلب کیا، اس کی موچھیں ہلکی کر کے اس کا نام ”محمد“ رکھ دیا، اپنا عمامہ اس کے سر پر رکھ کر اسے ابدالوں کی جماعت میں شامل کیا۔“ (۴۶۴)

حدیث میں امام احمد بن حنبل نے رجال الغیب کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اس ضمن میں جو احادیث بیان کی گئی ہیں

مصنف نے ملا علی قاری، علامہ ابن قیم اور ابن تیمیہ کی ان احادیث کے بارے میں تحقیق پیش کی ہے کہ ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس باب میں مصنف کا حاصل مطالعہ یہ ہے:

”خلاصہ بحث یہ ہے کہ اسلام میں رجال الغیب کے نظریہ کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے۔ صحابہ سے کوئی اثر صحت کے ساتھ منقول نہیں ہے۔ تابعین اس معاملہ میں خاموش ہیں۔ یہ نظریہ ”قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر“ کے بعد کی پیداوار ہے۔ زمانہ کے ساتھ رجال الغیب کے اسماء و مناصب، اماکن و ساکن اور تعداد سے متعلق عجیب و غریب باتیں لوگوں میں پھیل گئی ہیں۔ بعض سادہ لوح صوفیہ ان سے ملاقات کرنے کے لیے برسوں جنگلوں اور ویرانوں کا سفر کرتے رہے، جب کسی اجنبی شخص نے ان سے ملاقات کی تو وہ یہ سمجھے کہ ہونہ ہو یہ شخص رجال الغیب میں سے تھا۔ بعض صوفیہ نے کسی ویران مکان میں جنات کی آوازیں سنیں تو خیال کیا کہ اس مکان میں رجال الغیب آتے جاتے ہیں۔ بعض اوقات جنات کی قوت کو رجال الغیب کی کرامات بتایا۔ چنانچہ جنات کی قوتوں اور صلاحیتوں کو بھی رجال الغیب سے منسوب کیا گیا۔ مثلاً یہ کہ انہیں قوت پر واز حاصل ہے، وہ پانی پر چلتے ہیں، وہ نظر نہیں آتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقیدہ اسلامی سے ان بے اصل چیزوں کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی رجال الغیب کا نظریہ ایمانیات میں شامل ہے۔“ (صفحہ ۴۸۲)

”صوفیا اور علم حدیث“ کتاب کا موضوع کے اعتبار سے آخری باب ہے۔ مصنف نے انکشاف کیا ہے کہ اگرچہ بعض صوفیہ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے، لیکن مفسرین نے اسے قبول نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیہ قرآن کے الفاظ کا واضح مطلب لینے کے بجائے اپنے ذہن میں القا ہونے والے نکات سے آیات کی تشریح کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے سورہ توبہ کی آیت ۱۲۳ پیش کی ہے:

”یا ایہا الذین امنوا قاتلوا الذین یلو نکم من الکفار ول یجدوا فیکم غلظۃ۔ (التوبہ: ۱۲۳)

”اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس رہتے ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے۔“

صوفیہ کے نزدیک اس آیت سے مراد نفس ہے، ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ قریب کے کافروں سے قتال کریں، اور انسان سے قریب ترین چیز اس کا نفس ہے۔

قرآن میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وادی طویٰ میں حکم دیا: فاخلع نعلیک (اپنے نعلین اتار دو) صوفیہ کا کہنا ہے کہ عالم اجسام میں نعلین سے مراد نعلین ہی ہیں، مگر عالم ارواح میں دنیا و آخرت ہے۔ اور ان دونوں عالموں میں موازنہ و مناسبت موجود ہے جس سے صرف انبیا اور خواص اولیا واقف ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نطاہر میں نعلین اتارنے کا حکم دیا اسی طرح اس سے باطن میں ترک دنیا و آخرت کا مطالبہ بھی کیا۔“

(۴۸۴)

مصنف نے اس باب میں مشہور صوفیاء کے وہ اقوال بھی نقل کیے ہیں جن میں انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کے بیان کردہ احوال و مقامات اور صوفیانہ اشارات کی اساس قرآن و سنت میں ہے۔ مصنف نے ان اقوال کی تحسین کرنے کے بعد حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ ایسے اقوال بھی تصوف کی کتابوں میں بکثرت ملتے ہیں جن میں علم بے زاری اور معارف دشمنی کا پہلو نمایاں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، ابن حبان جیسے محدثین کی آرا بھی نقل کی ہیں جن میں برملا یہ کہا گیا ہے صوفیا کا زہد و تکشف اپنی جگہ، لیکن علم حدیث میں وہ ساقط الاعتبار ہیں۔ چند اقتباس ملاحظہ ہوں:

”مشہور محدث یحییٰ ابن سعید اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ”تم حدیث کے معاملہ میں اہل خیر (زہاد) کو سب سے زیادہ جھوٹا پاؤ گے۔“ اور امام مسلم کی رائے ہے کہ ان کی زبانوں پر جھوٹ بلا ارادہ سرزد ہو جاتا ہے۔ ابتدائی دور کے نامور زہاد کو بھی حدیث میں ناقابل اعتماد کہا گیا ہے۔ حضرت حسن بصری کو روایت حدیث میں ذہبی نے ”کثیر التذلیس“ کہا ہے۔ حضرت علی کے شاگرد حضرت کمیل ابن زیاد جو بعض صوفیہ کے نزدیک علم باطن اور خرقة ولایت کی اہم کڑی ہیں، کو محدثین نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ حضرت حسن بصری کے شاگرد فرقد سخی کے متعلق محدث ایوب (۶۶-۱۳۱ھ/۶۸۵-۷۲۸ء) نے صاف صاف کہا ہے کہ فرقد صاحب حدیث نہیں ہیں۔ امام بخاری کے نزدیک ان کی احادیث منکر روایات ہیں۔ امام نسائی (۲۱۵-۳۰۳ھ/۸۳۰-۹۱۵ء) کے نزدیک وہ ضعیف ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ان میں غفلت اور حافظہ کی کمزوری تھی۔ حضرت حسن بصری کے دوسرے اور سب سے بڑے شاگرد عبد الواحد بن زید کو امام بخاری نے متروک الحدیث کہا ہے۔ امام نسائی کی بھی ان کے بارے میں یہی رائے ہے۔ امام جلال الدین سیوطی بھی اسی رائے کے قائل ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں: ”وہ ان لوگوں میں سے تھے جن پر عبادت غالب آگئی، یہاں تک کہ وہ روایات میں احتیاط سے غافل ہو گئے جس سے ان کی احادیث میں منکر روایات کی کثرت ہو گئی اور حجت کے لائق نہ رہے۔“ (۴۹۵)

”صوفیہ کی کتابوں میں جو احادیث ملتی ہیں، ان پر محدثین نے سخت تنقید کی۔ امام غزالی پر محدثین نے ایک الزام یہ بھی لگایا ہے کہ انہوں نے اپنی تصنیفات میں موضوع احادیث کو نقل کیا ہے۔ ان کی شہرہ آفاق کتاب احیاء العلوم تصوف پر لکھی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ تنقید کا نشانہ بنی۔ علامہ ابن جوزی نے احیاء پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

”اور ابو حامد غزالی آئے تو صوفیہ کے طریقہ پر کتاب الاحیاء لکھی اور اسے باطل احادیث سے بھر دیا۔“

امام ابن تیمیہ نے بھی موضوع اور احادیث کو احیاء کے نقائص میں شمار کیا ہے۔ علامہ سبکی نے غزالی کی بے سند احادیث پر ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:

”یہ وہ فصل ہے جس میں احیاء کی وہ تمام احادیث جمع کی ہیں، جن کی سند مجھے نہیں ملی۔“

یہ باب ایک سو دو صفحات پر محیط ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق احیاء علوم الدین میں چھ سو ضعیف اور موضوع احادیث ہیں۔ امام مازری (م ۵۳۶ھ/۱۱۴۱ء) نے بھی احیاء علوم الدین کی ضعیف اور موضوع احادیث پر اعتراض کیا ہے۔“

(۲۹۹)

”احیاء العلوم کی عمارت جن بنیادوں پر تعمیر کی گئی ہے ان میں سب سے اہم تصنیف ابو طالب مکی کی کتاب ”قوت القلوب“ ہے۔ اس کے متعلق بھی محدثین کا فیصلہ وہی ہے جو احیاء کے بارے میں ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ محمد بن علی بن عطیہ، ابو طالب المعروف بہ المکی نے صوفیہ کے طریقہ پر قوت القلوب کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں ناپسند اور مستثنیٰ چیزوں کا ذکر کیا۔ علامہ ابن جوزی نے اس پر تنقید کی اور ان تمام روایات کو جو مختلف ایام و شہور کی نمازوں کے متعلق اس میں موجود ہیں، موضوع قرار دیا۔“ (۵۰۲)

کچھ ایسے ہی تبصرے محدثین نے شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب ”غنیۃ الطالبین“، شیخ ابو نعیم اصفہانی کی ضخیم کتاب ”حلیۃ الاولیاء“، شیخ محمد بن طاہر المقدسی کی کتاب ”صفوة التصوف“، شاہ اسماعیل شہید کی کتاب ”اللمع“، علی بن یوسف الشطنوفی کی معروف کتاب ”ہجۃ الاسرار“ اور تصوف کی دیگر اہم کتاب پر کیے ہیں۔ (۵۰۵)

اسی باب میں مصنف نے ”صوفیہ اور وضع حدیث“ کے ذیلی عنوان سے احادیث وضع کرنے میں صوفیوں کے ”کارہائے نمایاں“ پر بھی خوب روشنی ڈالی ہے۔

یوں تصوف کے فلسفے سے لے کر اذکار و اشغال تک، ہر پہلو پر سیر حاصل مطالعہ کرنے کے بعد قاری کتاب کے سب سے آخری باب ”ہنرش نیز بگو“ پر پہنچتا ہے تو پہلے ہی پیرے کو پڑھ کر حیرت میں غوطے کھانے لگتا ہے اور پھر جوں جوں وہ اس باب کے صفحے الٹتا جاتا ہے، اسے یوں لگتا ہے کہ تصوف کی ہر چیز کو باطل اور غیر اسلامی قرار دینے کے بعد مصنف ایک طرح کے ”احساسِ جرم“ میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اس فکر میں ہیں کہ صوفیا کی بھرپور طریقے سے ”تالیفِ قلب“ کی جائے۔ چنانچہ انھوں نے صوفیا کے عالم اسلام پر بعض احسان بیان کیے ہیں، لیکن اس معاملے میں بھی ان کی ذہانت کو داد دینا پڑتی ہے کہ انھوں نے صوفیا کے محاسن بیان کیے ہیں نہ کہ تصوف کے! اور وہ یہ تاثر دینے میں کامیاب بھی رہے ہیں کہ وہ تصوف کے ہر گز دشمن نہیں ہیں۔ لگتا یہی ہے کہ یہ باب انھوں نے ”حالتِ سہو“ میں لکھا ہے۔ اس لیے انھیں بالکل یاد نہیں رہا کہ جن چیزوں اور رویوں کو وہ خلاف اسلام ثابت کر چکے ہیں، اب انھی کے محاسن بیان کرنے کی تکلیف مالا یطاق میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ کتاب کے اگلے ایڈیشن میں انھیں اپنی اس حالتِ سہو کا اندازہ ہو جائے گا اور بائزید بسطامی کی طرح وہ بھی اپنی رائے سے رجوع فرمائیں گے۔

یہ کتاب اس لحاظ سے شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا ہے کہ اس میں جس شخصیت کا بھی ذکر آیا ہے اس کے مختصر حالاتِ زندگی مع

سنین دیے گئے ہیں۔ ان معلومات نے کتاب کو معروضی معلومات کا بھی خزانہ بنا دیا ہے۔ اگرچہ یہ پہلو کتاب کی ایک ضمنی خوبی ہے لیکن اس کی اہمیت بہر حال اپنی جگہ مسلم ہے۔

بحیثیتِ مجموعی یہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت کامیاب اور قابلِ مطالعہ ہے۔ اس کا سب سے عجیب پہلو یہ ہے کہ شاید ہی کسی صوفی کو اس کے مندرجات سے انکار ہو اور یقیناً وہ بھی اس کتاب کی اس خوبی کو تسلیم کریں گے کہ مصنف کے کسی بھی جملے یا لفظ سے ہرگز یہ نہیں لگتا کہ وہ تصوف کے خلاف کوئی کدیا تعصب رکھتے ہیں۔ اس لیے ہم اس کتاب کو بلا خوفِ تردد تصوف کا بے لاگ اور غیر متعصبانہ مطالعہ قرار دے سکتے ہیں۔

www.al-mawrid.org  
www.javedahmadghamidi.com